ڈاکٹر قبلہ ایاز (پشاور یونیورسٹی)

فرنگی استعمار، یاغستانی جہاد اور ولی اللہی فکر

تقسیم ہند سے قبل کی تاریخ میں برصغیر کے افغان سرحدات کے ساتھ ملحقہ اور ہزارے کے کوہ سیاہ (Black Mountains) سے لے کر وزیرستان تک کے قریب قبائلی خطہ (یاغستان) کے باشندوں کو حریت پسندی اور اسلام کے ساتھ جذباتی لگاؤ کی خصوصیات کی وجہ سے خصوصی حیثیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی عیسوی کے دوران یعنی ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی زوال اور فرنگی استعمار کے تسلط کے زمانے میں برصغیر کی دیگر اقوام مسلمانوں کے تحفظ اور استخلاص وطن کے سلسلے میں ان لوگوں سے ایک اہم کردار ادا کرنے کی توقع رکھتی تھیں۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۸ ویں صدی کے ہندوستان کے نامور ماہر عمرانیات اور سیاسی مفکر شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۳ء) کے فرزند شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۵ء تا ۱۸۲۳ء) کے بارے میں یہ ثقہ روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؓ نے خواب میں ان کو پشتو زبان سیکھنے کی طرف اشارۃ متوجہ فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس دور میں پشتو بولنے یا سمجھنے والی اقوام سے ہندوستان کی آزادی اور وہاں کے مسلمانوں کے لئے ایک باعزت مقام کے حصول کے سلسلے میں بھرپور جدوجہد کی توقعات وابستہ تھیں، کیونکہ اس زمانہ میں ہندوستان کی دیگر مسلمان اقوام کی نسبت ان لوگوں میں زیادہ بہتر حربی صلاحیت موجود تھی اور وہ مردانگی اور شجاعت کی صفات سے متصف تھے۔[1] واضح رہے کہ شاہ عبدالعزیز ہی وہی شخصیت ہیں جنہوں نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر انگریزوں کے تسلط کے بعد سب سے پہلے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔[2] اس فتویٰ کو ۱۹ ویں صدی کے دوران ہندوستانی تاریخ میں فرنگی اقتدار کے خلاف چلائی جانے والی انقلابی اور مزاحمتی تحریکوں کے لئے خشت اول کی حیثیت حاصل ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی انقلابی تعلیمات کے زیر اثر عملی طور پر جہادی فعالیت کا پہلا مظاہرہ ان کے افکار کے حاملین سید اسماعیل شہید اور سید احمد بریلوی کی امارت تلے ہندوستان کے اس خطے کے صدر مقام پشاور میں ہوا، جہاں انہوں نے مشرقی پنجاب اور اس کے قریبی علاقوں سے چل کر اور پر صعوبت راستوں پر سفر کرکے ۱۹ویں صدی کی تیسری دہائی کے نصف آخر کے دوران قربانیوں کی ایک نئی تاریخ رقم کی اور سکھوں کی زبردست مزاحمت کرکے اس علاقے میں اپنی باقاعدہ آزاد اسلامی حکومت قائم کی۔ یہ جماعت خطے کے باشندوں کو آزادی کا بنیادی پیدائشی حق دلانے کی جدوجہد کے دوران ہزارہ کے علاقے میں ۱۸۳۱ء میں سکھ فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بالآخر اپنی حربی قوت کھو بیٹھی اور سید احمد بریلوی اور سید اسماعیل نے اپنے بے شمار ساتھیوں سمیت بالاکوٹ (مانسہرہ، ہزارہ) کے میدان میں جام شہادت نوش کیا۔[3]

جہاد بالاکوٹ کی بظاہر ناکامی کے بعد مجاہدین کی ایک پر عزم جماعت مولوی نصیر الدین دہلوی، مولوی ولایت علی اور مولانا عنایت علی کی قیادت میں شمال مغربی خطے کے سنگلاخ پہاڑی علاقوں میں منتقل ہوگئے اور وہاں سکھوں اور بعد میں انگریزوں کے خلاف ایک طویل اور صبر آزما عسکری جدوجہد جاری رکھی۔[4] اس گروہ کے بقیہ مجاہدین نے ۲۰ویں صدی کے اوائل میں افغانستان کی سرحدات کے ساتھ متصل بونیر اور باجوڑ کے یاغستانی علاقوں میں سمست اور چمرکنڈ کے مقامات پر اپنے مراکز قائم کرلئے اور استخلاص وطن کے لئے برطانوی

سامراج کے خلاف مسلح مزاحمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان یاغستانی مجاہدین کی فہرست میں مولانا عبدالکریم (متوفی ۱۱ فروری ۱۹۱۵ء)☆ مولانا عبدالکریم چمرکنڈی (متوفی ۱۹۸۰ء)، مولانا محمد بشیر (اصلی نام عبدالرحی، متوفی رمضان المبارک ۱۹۳۴ء) اور مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی (متوفی ۵ مئی ۱۹۵۱ء) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان مجاہدین کی عسکری سرگرمیاں محض بونیر اور باجوڑ کے یاغستانی علاقوں تک محدود نہیں تھیں، بلکہ ان کے ساتھی ایک مربوط سلسلے کے تحت تھاکوٹ والائی (ہزارہ)، تیراہ (خیبر) اور کمین اور وانہ (وزیرستان) کے علاقوں میں بھی انگریزی حکومت کے خلاف کارروائیوں میں مصروف تھے۔ ان مجاہدین میں عبدالحکیم (بنگالی)، احمد آفندی، خردبے اور محمد عابد عباس عابدین (ترک) اور مولوی محمد حسن بی اے کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۵]

یاغستانی مسلح مزاحمت کے ان مراکز کا انتظام وانصرام ہندوستان کے دیگر علاقوں سے یہاں آئے ہوئے مجاہدین کے ہاتھ میں تھا جن کے ساتھ علاقے کے قبائلی باشندے معاونین کی حیثیت سے شامل تھے۔ لیکن اس دوران کچھ ایسے مقامی (Indigenous) افراد بھی سامنے آئے جن کی اس خطے میں مزاحمتی فعالیت نے فرنگیوں کا سکون چھین لیا۔ ان میں مولوی نجم الدین (ہڈہ ملا صاحب، متوفی ۲۲ رمضان ۱۹۰۲ء) ملامستان (سرتور فقیر/ دیوانہ ملا، متوفی ۱۹۱۷ء) مولوی احمد جان (سنڈاکئی ملا صاحب، جہادی عملیات ۱۹۰۲ء تا ۱۹۲۷ء) مولوی امیر محمد (چکنور ملا صاحب، جہادی عملیات ۱۸۹۴ء تا ۱۹۳۱ء) مولوی محی الدین (ملا پاوندہ، جہادی عملیات ۱۸۹۲ء تا ۱۹۱۳ء) مولوی سید امیر جان (بابڑے ملا صاحب، متوفی ۲۸ رمضان ۱۹۲۱ء) مولوی سید اکبر (آفریدی ملا، جہادی فعالیت ۱۸۹۲ء) حاجی فضل واحد (ترنگزئی حاجی صاحب، متوفی ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء) مولوی حافظ احمد جان (کاگہ ونڈ ملا، متوفی ۱۹۳۷ء) سید محمد جلال (سرتور فقیر/ فقیر صاحب النگر/ علینگار، مزاحمت عملیات ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء) بطور خاص شامل ہیں۔ ان یاغستانی مجاہدین کی سرگرمیوں کو ہندوستان کے دیگر قومی رہنماؤں مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ یہ قومی زعماء خفیہ طریقے سے یاغستانی کارروائیوں کے لئے رقوم اور سامان حرب وضرب کی بہم رسائی کا انتظام کرتے تھے۔ یہ بات تاہم بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس بھی ان مجاہدین کے معاونین میں شامل تھے۔[۷]

استعماری دور کے ہندوستان کی ایک اور اہم شخصیت مولانا محمود حسن (۱۸۵۱ء - ۱۹۲۰ء) کا کردار یاغستانی جہاد کے حوالے سے ناقابل فراموش ہے۔ مولانا محمود الحسن نے ۱۸۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کی سند حاصل کی۔ آپ دارالعلوم کے اولین فارغ التحصیل گردانے جاتے ہیں۔ ۱۸۷۴ء کے دوران آپ نے دارالعلوم میں بطور مدرس ذمہ داریاں سنبھالیں اور آزادی وطن کی جدوجہد میں اپنی بھرپور فعالیت شروع کی۔ آپ اپنے دور میں شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند شاہ عبدالعزیز کے انقلابی اور استعمار دشمن فکر کے حامل تھے۔ اس فکر کی تعلیم آپ نے اپنے اساتذہ بالخصوص مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۸۷۹ء) مولانا محمد یعقوب (متوفی ۱۸۸۴ء) اور مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۹۰۵ء) سے حاصل کی تھی۔ یہ حضرات مولانا مملوک علی (متوفی ۱۸۵۰ء) کے شاگرد تھے، جس کا فکری سلسلہ براہ راست شاہ عبدالعزیز کے ہم عصر اور تربیت یافتہ مولانا رشید الدین دہلوی کے ساتھ ملتا تھا۔[۸] مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی ان اہل علم کے گروہ میں شامل تھے، جنہوں نے حاجی امداداللہ مہاجر مکی (متوفی ۱۸۹۹ء) اور کچھ دیگر علماء کے ساتھ مل کر فرنگی تغلب کے خلاف قومی حریت کی ۱۸۵۷ء کی عظیم مقاومت کے دوران ضلع مظفر نگر کے شاملی نامی مقام پر اپنی آزاد حکومت قائم کی تھی۔[۹] انہیں حریت پسند علماء کی جماعت نے ۱۸۶۷ء میں سہارنپور

کے قصبہ دیوبند میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی۔ اس دارالعلوم کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ ایسے رجال کار تیار کئے جائیں جو مسلمانوں کے علمی ورثے کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ہندوستان سے برطانوی سامراج کے انخلاء کی جدوجہد میں کام کریں۔[10]

مولانا محمود حسن نے دارالعلوم کے طلبہ، فضلاء اور متعلقین کو ثمرۃ التربیۃ (۱۸۷۸ء) جمعیۃ الانصار (۱۹۰۹ء) اور نظارۃ المعارف القرآنیہ (۱۹۱۳ء) جیسی تنظیموں میں منسلک کرکے ان کا نظم قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ تنظیمیں بظاہر غیر سیاسی اور محض تعلیمی دکھائی دیتی تھیں، لیکن دراصل ان کے دور رس سیاسی اور انقلابی اہداف موجود تھے۔[11] دارالعلوم دیوبند میں ہندوستان کے ہر علاقے کے باشندے حصول علم کی خاطر آتے تھے۔ ان میں افغانستان اور یاغستان کے طلبہ کی ایک کثیر تعداد بھی شامل تھی۔ مولانا محمود حسن کا یاغستانی مجاہدین بالخصوص بڈے ملا صاحب، سنڈاکئی ملا صاحب اور ترنگزئی حاجی صاحب کے ساتھ گہرا رابطہ تھا۔[12] اس کے علاوہ آپ نے ۱۹۱۴-۱۵ء دوران اپنے کئی قابل اعتماد ساتھیوں جن میں مولانا سیف الرحمٰن، مولانا فضل ربی اور مولانا فضل محمد بطور خاص قابل ذکر ہیں کو سمست اور چمرکنڈ کے یاغستانی مجاہدین کی کارروائیوں میں عملی شرکت کے لئے بھی بھیجا تھا۔[13] آپ ہی کی ہدایت پر مولانا محمد صادق سندھی نے بلوچستان جاکر لسبیلہ کے مقام پر قبائل کی بغاوت بھڑکائی تھی۔ اس بغاوت کے نتیجے میں جنگ عظیم اوّل کے دوران کوت العمارہ (عراق) کے محاذ پر اپریل ۱۹۱۶ء میں جنرل ٹاؤن سینڈ (Townsend) کو عثمانی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ کیونکہ کراچی سے برطانوی فوجی کمک کا رخ عراق کی بجائے بلوچستان کی طرف موڑنا پڑا جس کی وجہ سے جنرل بے یار و مددگار رہا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران یہ ایک بڑا اہم واقعہ تھا۔[14]

یاغستانی تحریک مقاومت پورے جوش و جذبے کے ساتھ جاری رہی۔ لیکن اس دور میں برطانیہ جیسی بڑی طاقت کے خلاف کافی رسد، جدید جنگی ساز و سامان اور مناسب بیرونی فوجی و مالی تعاون کے بغیر بھرپور مزاحمت کا جاری رکھنا آسان کام نہ تھا۔ مولانا محمود حسن کو صورت حال کی سنگینی کا بخوبی احساس تھا۔ اس دوران ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول چھڑ گئی جس کی وجہ سے مولانا اور آپ کے ہم فکر ساتھیوں کو یہ امید پیدا ہوگئی کہ اس جنگ کے نتیجے میں بالآخر برطانوی سلطنت کی استعماری گرفت کمزور پڑجائے گی اور ہندوستان کی آزادی کی راہیں کھل جائیں گی۔ چنانچہ یاغستانی حریت پسندوں کی اس مشکل کو حل کرنے کے لئے آپ نے اپنے ایک قریب ترین ساتھی مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۲ء تا ۱۹۴۴ء) کو ۱۹۱۵ء میں یاغستانی جہاد کے لئے افغانستان کی حکومت کے تعاون کے حصول کی خاطر کابل بھیجا جبکہ آپ خود اسی سال کے اواخر میں حجاز تشریف لے گئے، تاکہ عثمانی خلافت کے عمال کو بھی ہندوستان کی صورت حسال سے آگاہ کرکے ان سے بدیسی استعمار کے خلاف آزادی ہند کی جدوجہد میں مدد حاصل کرلی جائے۔[15] حجاز پہنچنے پر آپ نے وہاں کے عثمانی گورنر غالب پاشا، عثمانی وزیر جنگ انور پاشا اور فلسطینی محاذ جنگ کے کمانڈر جمال پاشا کے ساتھ تفصیلی ملاقاتیں کیں اور ان کو ہندوستان کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے آپ کو عثمانی خلافت کی طرف سے فرنگی حکومت کے خلاف ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ غالب پاشا نے تو اس سلسلے میں آپ کو حوصلہ افزا کلمات پر مشتمل ایک خصوصی تحریر بھی دی جو غالب نامہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ مولانا محمود حسن کی ہدایت پر آپ کے ایک خصوصی معاون مولانا منصور انصاری (اصل نام مولانا محمد میاں) نے خفیہ طریقے سے اس خط کی نقول یاغستانی مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کا مربوط انتظام کیا جس سے ان مجاہدین کے حوصلے انتہائی بلند ہوئے اور انہوں نے حصول حریت کے لئے اپنی کوششیں تیز کردیں۔[16]

عثمانی حمایت کے اثرات یاغستانی علاقوں کے علاوہ میدانی علاقوں پر بھی پڑے اور وزیرستان کے قریب واقع

موجودہ ضلع لکی مروت (بنوں ڈویژن) میں سید احمد (بیرے فقیر، وفات ۱۹۲۶ء سے قبل پشاور جیل میں) اور محمد اکرم خان (متوفی ۱۹۳۴ء) کی قیادت میں تقریباً ڈیڑھ سو مسلح افراد کی جماعت نے مارچ ۱۹۱۶ء میں لوگوں کو برطانوی حکومت کے خلاف عثمانی فوج کی متوقع آمد پر مسلح جنگ شروع کرنے کی اپیل کی۔ اس جتھے کے سرکردہ افراد کو ۲۲ مارچ ۱۹۱۶ء کو گرفتار کرلیا گیا اور اس وقت کے ڈپٹی کمشنر بنوں لیفٹ پیٹرک (Fitz Patrick) نے ایک ہفتے کی سرسری ساعت کے بعد ۱۸ اپریل ۱۹۱۶ء کو محمد اکرم خان کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کار ضبط کرنے کا حکم دیا اور اسے جزائر انڈمان (کالا پانی) بھیجا جبکہ سید احمد (بیرے فقیر) کو پشاور جیل میں قید کرلیا گیا۔ محمد اکرم کو ۱۹۲۶ء میں کالا پانی سے رہائی ملی۔[17]

ادھر کابل میں مولانا عبیداللہ سندھی کو انتہائی پیچیدہ صورتحال کا سامنا تھا۔ کابل کے امیر حبیب اللہ خان (۱۹۰۱ء-۱۹۱۹ء) ہندوستان کے انقلابیوں کی خاطر فرنگی کو ناراض کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس لئے وہ ان کی جدوجہد کے معاملے میں زیادہ گرمجوشی کا اظہار کرنے سے پہلو تہی کی پالیسی پر گامزن تھے۔ لیکن مولانا سندھی دسمبر ۱۹۱۵ء میں کابل میں موجود بعض دوسرے ہندوستانی آزادی خواہوں کے ساتھ مل کر ہندوستان کی ایک قومی موقتہ حکومت کی تشکیل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کی صدارت کا منصب راجہ مہندرا پرتاب اور وزارت عظمیٰ کا منصب مولانا برکت اللہ بھوپالی کے سپرد کردیا گیا، جبکہ مولانا سندھی کو اس کا وزیر داخلہ مقرر کیا گیا۔ اس قسم کی حکومت کی تشکیل ایک بین الاقوامی قانونی ضرورت تھی تاکہ دوسری قوموں کے ساتھ باضابطہ طور پر ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے حوالے سے مذاکرات اور معاہدے کئے جاسکیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے قومی حکومت موقتہ کی طرف سے مارچ اور اپریل ۱۹۱۶ء کے دوران روس، جاپان اور استنبول کو سفارتی وفود بھیجے گئے۔ مولانا سندھی نے کابل میں جنوداللہ کے نام سے ایک نیم فوجی تنظیم کا ابتدائی خاکہ بھی ترتیب دیا۔ جس کے لئے مولانا محمود حسن کا نام سالار اعلیٰ کے طور پر تجویز کیا گیا۔[18]

ان سیاسی کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ بین الاقوامی فوجی اور سیاسی تعاون کے ذریعے ہندوستان سے فرنگی راج کے الغاء کی جدوجہد میں یاغستانی مجاہدین کو تقویت کا سامان فراہم کیا جائے۔ مولانا سندھی نے کابل میں اپنی سرگرمیوں کے بارے میں مولانا محمود حسن کو آگاہ کرنے کی خاطر ان کی تفصیلات ایک ریشمی رومال پر کندہ کیں اور اپنے ایک ساتھی شیخ عبدالحق کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ خفیہ طور پر دستاویز حیدرآباد (سندھ) میں شیخ عبدالرحیم کے حوالے کردیں تاکہ وہ اس کو حجاز میں مولانا محمود حسن تک پہنچادیں۔ ریشمی رومال کے ساتھ مولانا محمود حسن کے نام ایک خط مولانا منصور انصاری (مولانا محمد میاں) کی طرف سے بھی تھا۔ ان غیر معمولی دستاویزات پر ۸-۹ رمضان ۱۳۳۴ھ/ ۸-۹ جولائی ۱۹۱۶ء کی تاریخیں درج تھیں۔ شیخ عبدالحق نے حیدرآباد جانے کے لئے ۱۵ اگست ۱۹۱۶ء کو ملتان میں رب نواز نامی ایک شخص کے ہاں قیام کیا جس کے ساتھ شیخ عبدالحق کی سابقہ شناسائی تھی۔ رب نواز کو کسی نہ کسی طرح ان خفیہ تحریرات کا علم ہوا جو اس نے شیخ عبدالحق سے حاصل کرکے پنجاب کے برطانوی گورنر لفٹیننٹ جنرل سرمائیکل اوڈوائر (Sir Michael O.Dwyer) کے حوالے کردیں۔ اس طرح آزادی ہند کی خاطر ایک عظیم کوشش اپنا مطلوبہ ہدف حاصل کرنے سے پہلے طشت ازبام ہوکر ناکام ہوگئی۔ برطانوی حکومت کے دباؤ کے تحت مولانا سندھی کو کابل میں اور مولانا محمود حسن کو ان کے ساتھیوں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عزیز گل، مولانا وحید احمد اور مولانا حکیم نصرت حسین سمیت حجاز میں گرفتار کرلیا گیا۔ حجاز میں اس وقت شریف مکہ کی حکومت قائم ہوچکی تھی جس نے عثمانی عمال کو وہاں سے بے دخل کردیا تھا۔ مولانا محمود حسن اور ان کے ساتھیوں پر مصر میں مقدمہ چلا جس کے مطابق ان کو فروری ۱۹۱۷ء میں جزیرہ مالٹا میں قید کرلیا گیا۔[19]

حالات کی یہ کروٹ یاغستانی جدوجہد حریت کے لئے ایک سخت دھچکے سے کم نہ تھی۔ لیکن ان نامساعد حالات کے باوجود مجاہدین نے اپنی مزاحمتی سرگرمیاں ترک نہیں کیں۔ مولانا محمود حسن اپنے ساتھیوں سمیت رہائی پاکر ۸ جون ۱۹۲۰ء کو ہندوستان پہنچے۔[۲۰] فروری ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خان کے قتل کے بعد مولانا سندھی کو بھی رہائی ملی لیکن انہوں نے ہندوستان واپس آنے کی بجائے نومبر ۱۹۲۲ء میں کابل چھوڑ کر روس، ترکی اور حجاز کی راہ لی اور مجموعی طور پر ۲۴ سال کی غریب الوطنی کے بعد مارچ ۱۹۳۹ء میں واپس وطن لوٹے۔[۲۱]

مولانا محمود حسن کی ہندوستان واپسی کے وقت ملکی اور بین الاقوامی حالات میں زبردست تبدیلیاں آگئی تھیں۔ برطانیہ جنگ عظیم اول میں جو نومبر ۱۹۱۸ء میں بند ہوگئی تھی، فاتح فریق کی حیثیت سے سامنے آیا تھا اور اب وہ اور اس کے اتحادی جنگ میں اپنے مسلمان حریف عثمانی خلافت کو ختم کرنے کے منصوبوں پر عمل درآمد کے لئے مستعد تھے۔ عثمانی خلافت کو اپنی بقاء کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے ہندوستانی مسلمان شدید اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھے۔ چنانچہ انہوں نے تحریک خلافت شروع کی جس میں بلا لحاظ مذہب دوسرے ابنائے وطن نے بھی مسلمانوں کی بھرپور حمایت کی۔ ہندوستان میں فرنگی حکومت کے خلاف کسی بھی ممکنہ تحریک کا قلع قمع کرنے کے لئے مارچ ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کو قانونی شکل دے دی گئی تھی، جس کے تحت ہندوستانیوں سے تمام بنیادی شہری حقوق چھین لئے گئے تھے۔ اپریل ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا خونین واقعہ پیش آیا۔ جہاں ظالمانہ فرنگی قوانین کے خلاف پرامن احتجاج جلسے کے شرکاء کو جنرل ڈائر کے حکم سے بے تحاشا فائرنگ کا نشانہ بنایا گیا۔[۲۲]

اس گھمبیر قومی اور بین الاقوامی صورتحال کی وجہ سے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف ترک موالات اور عدم تعاون کی تحریکوں نے جنم لیا جو کہ حقیقی معنوں میں بھرپور کل ہند عوامی تحریکیں تھی۔ انہی حالات کے دوران نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند تشکیل دے دی گئی۔ یہ شاہ ولی اللہ کے فکر کے خوشہ چین علماء پر مشتمل جماعت تھی۔ مولانا محمود حسن اور آپ کے ساتھیوں نے اس نئی صورت حال کے پیش نظر آزادی ہند کے لئے مسلح تحریکات کی راہ ترک کرکے پرامن عوامی جدوجہد کا طریقہ اپنایا اور تحریک خلافت، جمعیت العلماء ہند اور انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے ترک موالات اور عدم تعاون کی تحریکوں میں بھرپور طریقے سے فعال ہوئے۔ یہ جمہوری طرز کی تحریکیں تھیں جن میں ہندوستانیوں نے انگریزوں کے دیئے ہوئے خطابات کی واپسی اور ان سے ہر قسم کے تعلقات کے انقطاع کے ذریعے عدم تشدد کے اصولوں کی اساس پر آزادی کا ہدف حاصل کرنا تھا۔[۲۳] اس ہنگامہ خیز دور میں مولانا محمود حسن کے کردار کی وجہ سے ان کو شیخ الہند کا لقب دے دیا گیا جو بعد میں ان کے اصل نام کا جزولاینفک بن گیا۔[۲۴]

بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے دوران ہندوستان میں عوامی سیاسی بیداری میں ۱۹ ویں صدی کی تیسری دہائی سے جاری یاغستانی جہاد کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جس سے متاثر ہوکر ملک کے طول وعرض میں لوگوں نے برطانوی استعمار سے جمہوری اور آئینی طریقے سے نجات حاصل کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ ریشمی رومال سازش کے ناکام ہونے کے باوجود یاغستانی علاقوں میں آزادی ہند کی خاطر گوریلا سرگرمیاں جاری رہیں اور فرنگی حکومت کے لئے مسلسل سردرد کا سامان پیدا کرتی رہیں۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ مارچ ۱۹۲۳ء کے دوران صرف وزیرستان کے محاذ پر جنگ کے لئے انگریزوں نے اصل اخراجات کی مد میں ۱۲ کروڑ روپے کے مزید اخراجات اور ۱۲ ہزار مزید سپاہیوں کی بھرتی کی منظوری دی۔[۲۵]

۱۹۱۵ء-۱۹۲۶ء میں ہندوستانی نوآبادیاتی فوجوں کے جنگی اخراجات کا تخمینہ ۵۷ کروڑ روپے لگایا گیا تھا۔[۲۶] مارچ ۱۹۲۵ء میں کوہ شوال پر رزمک کی طرح ایک بڑی چھاؤنی بنانے

کی خاطر وہاں کے قبائل پر شدید گولہ باری کی گئی۔[۲۷] یاغستان کے دوسرے علاقوں کی صورت حال بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

جنگ عظیم اول میں فتح یابی کے بعد برطانیہ نے افغانستان کے ساتھ ملحقہ سرحدی علاقوں کو مکمل طور پر زیر تسلط لانے اور یاغستانی مزاحمت کو شدت کے ساتھ کچلنے کی پالیسی اپنا لی جس میں اس کو بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔ اس مقصد کے لئے ترغیب وترہیب کا ہر قابل تصور حربہ آزمایا گیا۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء کے اواخر میں جب دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی تو برطانیہ کے خلاف ان علاقوں میں مزاحمتی جدوجہد خاصی کمزور ہوچکی تھی۔ تاہم انہی دنوں میں وزیرستان کے علاقے میں مولوی حاجی میرزا علی خان (فقیر ایپی ۱۸۹۷ء تا ۱۹۶۰ء) نے انگریزوں کے خلاف ایک طویل صبر آزما جدوجہد کی ابتداء کی اور برطانوی استعمار کی مزاحمت کا ایک نیا باب کھولا۔ آپ نے ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۷ء کے دوران گرویخت کے بلند وبالا وزیرستانی پہاڑوں کے ناقابل تسخیر غاروں میں اپنے مراکز قائم کر کے انگریزوں کے خلاف جارحانہ کاروائیاں شروع کی تھیں جو برصغیر سے فرنگی کے نکلنے تک جاری رہیں۔ آپ کی عسکری جدوجہد دراصل اس یاغستانی تحریک کا تسلسل تھا جو ۱۹ ویں صدی کی تیسری دہائی کے دوران سرحدی علاقوں میں شروع کردی گئی تھی۔ آپ کی گوریلا سرگرمیوں کا سلسلہ بین الاقوامی طور پر حوصلہ شکن حالات کے باوجود منقطع نہیں ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب برطانیہ کے خلاف یاغستانی مزاحمت کی دیگر عسکری تحریکوں کا سابقہ دم خم باقی نہیں رہا تھا۔ علاوہ ازیں جنگِ عظیم دوم میں برطانیہ کی حریف طاقتیں (جرمنی اور اٹلی) بھی فرنگی مخالف مزاحمتی احزاب کی مناسب مدد کرنے میں ناکام ہوگئی تھیں، لیکن اس ناموافق عالمی صورتحال کے باوجود فقیر ایپی کے صرف ابتدائی حملوں میں دو سو کے لگ بھگ نو آبادیاتی فوجی افسر اور سپاہی قتل کر دیئے گئے۔ انگریزوں نے فقیر صاحب کو گرفتار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ایک موقعہ پر تقریباً چار ہزار انگریز گورکھا سپاہیوں نے آپ کی کمین گاہوں پر اس دور کے جدید ترین جنگی ساز و سامان کی مدد سے حملہ کیا لیکن وہ آپ کو گرفتار کرنے میں ناکام رہے۔[۲۸] فقیر صاحب کی محض ابتدائی عسکری سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے انگریزی حکومت کے مصارف جنگ اس وقت کے بارہ لاکھ پاؤنڈ تک پہنچ چکے تھے۔[۲۹]

فقیرایپی کے علاوہ وزیرستان کے محسود قبیلہ کے جنوبی علاقے میں ملا پاوند کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شہزادہ فضل الدین (متوفی ۱۹۶۶ء) بھی انگریزوں کے خلاف گوریلا سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ انگریزوں نے شہزادہ صاحب کی پہاڑی رہائش گاہ لکلہ پر شدید بمباری کی۔[۳۰] ان حضرات کے علاوہ وزیرستان کے بھٹنی قبیلہ سے تعلق رکھنے والے مولانا دین محمد (دین فقیر، متوفی ۱۲ ستمبر ۱۹۵۹ء) کا نام بھی یاغستانی مزاحمتی قائدین کی فہرست میں خاصا اہم ہے۔ انگریزوں نے ۱۹۳۸ء-۱۹۴۰ء کے دوران دین فقیر کی جہادی فعالیت کے علاقوں مرمند، سورغر/سراغر، گبر، خسرائی، پنگ اور پیر تنگی پر مسلسل بمباریاں کیں۔[۳۱]

یاغستانی علاقوں میں یہ تحریکیں ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہے اور اس خطے کی معاصر سیاست اور علاقے کے باشندوں کے اذہان پر ان کے دیرپا اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر یہ پہاڑی مزاحمتی تحریکیں نہ چلتیں تو شاید انگریز ۱۹۴۷ء کے بعد بھی برصغیر سے دستبردار ہونا پسند نہ کرتا۔ ہندوستان کے میدانی علاقوں میں حصول حریت کے لئے جس جمہوری اور آئینی جدوجہد کی داغ بیل ڈالی گئی، اس پر بھی یاغستانی مزاحمتی جدوجہد کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انگریزی اقتدار کے خلاف پرامن مقاومت میں ہندوستان کے عوام کی بھرپور شرکت کے سلسلے میں یاغستانی جہاد کا کردار خاصا اہم رہا کیونکہ ان پہاڑی علاقوں میں لوگوں نے اس وقت فرنگی اقتدار کا مقابلہ کیا جبکہ دیگر علاقوں میں ان کی اجتماعی مخالفت کا تصور بھی محال تھا۔ ان

تحریکوں پر شاہ ولی اللہ دہلوی مرحوم کے فکر کے اثرات بڑے واضح ہیں۔ یہ آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کے ۱۸۰۳ء کے فتویٰ کا منطقی نتیجہ تھا جس کی زیر اثر یاغستانی علاقوں میں آزادی کے لئے ایک طویل جدوجہد کی گئی تاکہ ہندوستان سے انگریزوں کو نکالا جاسکے۔ ولی اللہی فکر سے منسلک افراد تقسیم ہند کے بعد بھی اس خطے کی سیاست میں خاصے فعال رہے لیکن یہ موجودہ مضمون کے احاطے سے باہر ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات اور وضاحتی نکات

۱- اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھیں مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک (سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۴۵ء) صفحات ۶۳ تا ۷۰۔

۲- مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، صفحات ۷۰ تا ۷۱۔ مولانا سید محمد میاں، امام شاہ عبدالعزیز افکار و خدمات، (شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۱ء) صفحات ۱۵ تا ۱۹۔ جانباز مرزا، انگریز کے باغی مسلمان (مکتبہ تبصرہ نیوشاد باغ لاہور ۱۹۹۰ء) جلد اول صفحات ۸۱ تا ۸۴

۳-دیکھیں مولانا غلام رسول مہر سرگزشت مجاہدین صفحات ۳۶۸ و ۴۶۳ تا ۶۷۹۔

۵- مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی، کوائف یاغستان (ادارہ احیاء السنۃ گرجاکھ روڈ گوجرانوالہ، سال اشاعت نامعلوم) صفحات ۲۵ تا ۳۹۶۔ چونکہ مصنف خود بھی انہی مجاہدین میں شامل تھے اس لئے اس کی معلومات خاصی وقیع ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ۱۹۹۱ء میں حاصل کردہ عبدالرؤف کے ایم فل مقالے: Muslim politics in N.W.F.P (1919-1930) with special reference to pan-Islamic ideas کے صفحات ۱۰۷ تا ۱۱۴ دیکھیں۔ عبدالرؤف کے مندرجات اس دور کے خفیہ برطانوی دستاویزات پر مبنی ہیں۔

۶- مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کوائف یاغستان صفحات ۳۰ تا ۳۹، ۴۶ تا ۴۸، ۶۸ تا ۳۹۶۔ عزیز جاوید، حاجی صاحب ترنگزئی (ادارہ تحقیق و تصنیف پشاور ۱۹۸۲ء) محمد شفیع صابر، تذکرہ سرفروشان صوبہ سندھ (یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور ۱۹۹۰ء) صفحات ۱۱۵ تا ۱۷۱، ۲۲۱ تا ۲۴۲۔

۷- مولانا حسین احمد مدنی، نقش حیات (دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۹ء) جلد دوم صفحہ ۵۵۷۔ عبدالرؤف Muslim politics in N.W.F.P (1919-1930) with special reference to pan-Islamic ideas۔

۸- مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، صفحات ۱۲۷، ۲۵۰ تا ۲۵۶۔

۹- اس کے لئے دیکھیں مولانا غلام رسول مہر، ۱۸۵۷ء کے مجاہد (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۳ء) صفحات ۲۵۰ تا ۲۵۷۔ جانباز مرزا، انگریز کے باغی مسلمان صفحات ۱۸۷-۱۹۰۔

۱۰-سید محبوب رضوی تاریخ دارالعلوم دیوبند (ادارہ اہتمام دیوبند، یوپی ۱۹۷۷ء) جلد اول صفحات ۱۳۹ تا ۱۴۵۔ نیز دیکھیں ماہنامہ الرشید لاہور، دارالعلوم دیوبند نمبر جلد ۴ (۱۹۷۶ء) میں مولانا عبدالحق غازی پوری کا مضمون، ۱۸۵۷ء کے بعد دینی تعلیم کے لئے حضرت نانوتوی کا لائحہ عمل صفحات ۳۹۲ تا ۳۹۳۔

۱۱- مولانا سید محمد میاں، اسیران مالٹا (مکتبہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ ۱۹۸۸ء) صفحات ۹ تا ۲۹۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی: ایک سیاسی مطالعہ (مجلس یادگار شیخ الاسلام قاری منزل مرارہ اسٹریٹ پاکستان چوک کراچی نمبرا، ۱۹۸۸ء) کے صفحات ۲۴ تا ۲۸۔ محمد سلمان منصور پوری، ایشیا کا عظیم انقلابی لیڈر (مکتبہ فکر و شعور کلب روڈ لاہور، سال اشاعت نامعلوم) صفحات ۴ تا ۹)

۱۲- مولانا غلام رسول مہر سرگزشت مجاہدین صفحات ۵۵۳ تا ۵۵۴۔ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی، کوائف یاغستان صفحات ۳۰ تا ۳۱۔ نیز دیکھیں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد کے جرنل Islamc Studies کے جلد ۱۸ شمارہ نمبر ۲ (۱۹۷۹ء) میں ڈاکٹر لعل بہا کا مضمون: The activites of the Mujahidin 1900-1936 کا صفحہ ۱۰۱۔ ڈاکٹر لعل بہا نے اپنی معلومات کے لئے اس دور کے خفیہ برطانوی دستاویزات سے استفادہ کیا ہے۔

۱۳- ڈاکٹر لعل بہا The activites of the Mujahidin 1900-1936 کا صفحہ ۱۰۱۔ نیز دیکھیں Journal of the Pakistan Historical Society کے جلد نمبر XXXVIII شمارہ ۱ (جنوری ۱۹۹۰ء) میں ڈاکٹر شفیق علی خان کا مضمون: The nationalist ulama's interpretaton of Shah Wali Ullah's thought and movment کا صفحہ ۶۴۔

۱۴- مولانا سندھی کے لئے دیکھیں مولانا عبداللہ لغاری کی کتاب: عبیداللہ سندھی کی سرگزشتِ کابل (قومی اداہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء) میں مولانا سندھی کی ذاتی ڈائری صفحہ ۱۱۔ ڈاکٹر شفیق علی خان کے مضمون The nationalist ulama's interpretaton of Shah Wali Ullah's thought and movment کا صفحہ ۶۴۔

۱۵- مولانا سندھی کی ڈائری صفحات ۱۱ تا ۱۲۔ مولانا سید محمد میاں، اسیران مالٹا صفحات ۳۳ تا ۳۴۔ محمد سلمان منصور پوری، ایشیا کا عظیم انقلابی لیڈر صفحات ۱۰ تا ۱۲۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، ایک سیاسی مطالعہ صفحات ۳۱ تا ۳۳۔

۱۶- مولانا حسین احمد مدنی، نقشِ حیات جلد دوم صفحات ۶۳۲ تا ۶۳۶۔ مولانا سید محمد میاں، اسیران مالٹا صفحات ۳۷ تا ۴۰۔ محمد سلمان منصور پوری: ایشیا کا عظیم انقلابی لیڈر صفحات ۲۳ تا ۲۴۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی: ایک سیاسی مطالعہ صفحات ۳۲ تا ۳۴۔

۱۷- ان واقعات کی پوری تفصیل کے لئے ڈپٹی کمشنر بنوں کے دفتر میں فائل بعنوان: Criminal case No.23/11 of 1816 دیکھیں۔

۱۸- مزید تفصیل کے لئے دیکھیں مولانا سندھی کی ذاتی ڈائری صفحات ۲۱ تا ۵۶۔ ظفر حسین ایبک: خاطرات مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء) صفحات ۹۷-۱۱۶۔ ڈاکٹر محمد جمن شیخ کی Maulana Ubaid Allah Sindhi a revolutionaty scholar (قومی ادارہ برائے تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۱ء) صفحات ۳۰ تا ۱۰۸۔

۱۹- مولانا سندھی کی ذاتی ڈائری صفحات ۱۵۷ تا ۱۶۸۔ مولانا حسین احمد مدنی، نقش حیات، جلد دوم صفحات ۶۵۲ تا ۶۵۶۔ سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم صفحات ۱۸۲ تا ۲۰۱۔ مولانا سید محمد میاں، ایران مالٹا صفحات ۴۰ تا ۵۰۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی: ایک سیاسی مطالعہ صفحات ۳۵ تا ۳۶۔ محمد سلمان منصور پوری، ایشیا کا عظیم انقلابی لیڈر صفحات ۲۳ تا ۲۷۔ مولانا سید اصغر حسین، حیات شیخ الہند (ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء) صفحات ۸۵ تا ۱۱۶۔ ڈاکٹر محمد جمن شیخ۔ Maulana Ubaid Allah Sindhi: A revolutionary scholar، صفحات ۶۱ تا ۶۳۔ اشتیاق حسین قریشی (Dr. Ishtiaq Hussain Qureshi) Ulema in politics (معارف لمیٹڈ کراچی ۱۹۷۴ء) صفحہ ۲۴۹۔ ریشمی رومال کے مندرجات کیلئے دیکھیں مولانا سید محمد میاں، تحریک شیخ الہند (مکتبہ محمودیہ لاہور ۱۹۷۸ء) صفحات ۳۵۷ تا ۳۶۲۔

۲۰- مولانا سید محمد میاں، اسیران مالٹا صفحہ ۵۱۔ محمد سلمان منصور پوری، ایشیا کا عظیم انقلابی لیڈر صفحہ ۲۸۔ ڈاکٹر ابو

سلام شاہجہان پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی: ایک سیاسی مطالعہ صفحہ ۳۶۔

۲۱- اس کی تفصیل کے لئے دیکھیں مولانا سندھی کی ذاتی ڈائری صفحات ۱۲۶ تا ۲۴۳۔ ظفر حسین ایبک، خاطرات صفحات ۱۲۷ تا ۳۱۶، محمد جمن شیخ Maulana Ubaid Allah Sindhi: A rovolutionary scholar صفحات ۸۲ تا ۲۶۳۔

۲۲- مولانا حسین احمد مدنی، نقش حیات جلد دوم صفحات ٦٦٧ تا ٦٦٨۔ اشتیاق حسین قریشی Ulema in politics صفحات ۲۵۵ تا ۲۵۷۔ قاضی محمد عدیل عباسی، تحریک خلافت (پروگریسیو بکس اردو بازار لاہور، ۱۹۸٦ء) صفحات ۱۵ تا ۱۱۰۔

۲۳- مولانا حسین احمد مدنی، نقش حیات: جلد دوم صفحات ۱٦۷ تا ۱۵۰۔ مولانا سید محمد میاں، اسیران مالٹا: صفحات ۵۱ تا ۵۴۔ مولانا سید محمد میاں۔ جمعیۃ العلماء کیا ہے؟ (مکتبہ محمودیہ، لاہور، سال اشاعت نا معلوم) صفحہ ۷ تا ۱۷۔

۲۴- مولانا حسین احمد مدنی، نقشِ حیات: جلد دوم صفحہ ٦٦۹۔ مولانا سید محمد میاں، اسیران مالٹا: صفحہ ۵۵۔

۲۵- مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی، کوائف یاغستان صفحہ ۴۸۔

۲٦- مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی، کوائف یاغستان صفحہ ۵۱۔

۲۷- مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی، کوائف یاغستان صفحات ۵۲، ۳۴٦ تا ۳۴۷۔

۲۸- فقیرایپی کی سرگرمیوں کے بارے میں تفصیل کے لئے دیکھیں: Walter Laqueur کی مدوّن کتاب (The Second World war (Saga Publications, Milan میں london, Baverly Hills, 1982) Hauner کا مضمون One man against the Empire: The Faqir of Ippi and the British in Central Asia on the eve and during the Second World War کے صفحات ۳۷۴ تا ۳۹۸۔ نیز دیکھیں عارف مسعود، وزیرستان کرم سے گومل تک (انوربک ایجنسی ٹانک ۱۸۹۱ء) صفحات ۲۸۳ تا ۳۴۴۔

۲۹- مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی، کوائف یاغستان صفحات ۴۷۲ تا ۴۷۳۔

۳۰- عارف مسعود، وزیرستان کرم سے گومل تک صفحات ۲۴۱ تا ۲۸۲۔

۳۱- دین فقیر کے بارے میں مصدقہ مطبوعہ مواد کم ہے۔ یہ معلومات راقم کو فقیر صاحب کے بیٹے صاحبزادہ علی محمد بختی، باغ الجدید، جنڈولہ (ٹانک) کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کے دوران حاصل ہوئی ہیں۔ علی محمد اپنے والد مرحوم کی جہادی سرگرمیوں میں عملاً شریک تھے۔

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

پرواز ہے ان دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

کہیں وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل
کہیں خاک کے آغوش میں تسبیح ومناجات
وہ مذہب مردانِ خود آگاہ خدا مست
یہ مذہب ملا ونباتات وجمادات